روس: خارجہ پالیسی کی متوقع نئی جہتیں

تحریر: وکٹر اسرا ئیلیان
ترجمہ: محمد الیاس خان

روس میں جمہوری عمل کی پختگی اور سیاسی قوتوں کی شیرازہ بندی کے لیے آنے والے سال کئی اعتبار سے بڑے اہم اور فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہوں گے۔ روسی خارجہ پالیسی کی سمت کا تعین اور بین الاقوامی تعلقات کے موجودہ منظر نامے کے حوالے سے اس پر عملدر آمد ماسکو کے لئے حساس نوعیت کے چیلینجز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہے۔ سویت یونین کا وجود دنیا کے نقشہ سے مٹ چکا ہے لیکن اس کا حقیقی جانشین روس تاہنوز بین الاقوامی برادری میں ایک اہم مقام کا حامل ملک ہے۔ امید کی جارہی تھی کہ روس مستقبل میں عالمی استحکام اور بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے جمہوریت کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کرے گا۔ ۱۹۹۲ء میں کریملن کی طرف سے جاری کردہ نئی خارجہ پالیسی میں ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے علاقائی اور بین الاقوامی امن و سلامتی قائم رکھنے اور قانون کی حکمرانی' جمہوریت کے فروغ اور انسانی حقوق کے احترام کے اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے مستحکم بین الاقوامی تعلقات کو ترقی دینے سے متعلق روسی کردار پر زور دیا گیا تھا۔ روس کی اس نئی خارجہ پالیسی میں روسی مفادات کے حوالے سے تین اہم دائروں (circles of interests) کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ان میں روس کا "قریبی بیرون" (آزاد ممالک کی دولت مشترکہ میں شامل ممالک) "مغرب" اور "دیگر" (ممالک) شامل تھے۔

اس وقت روس اور امریکہ کے درمیان پرجوش اور وسیع البنیاد شراکت کی وہ ابتدائی مبالغہ آمیز توقعات اور امیدیں دم توڑ چکی ہیں جن کا مطمح نظر اول الذکر کو انجام کار پوری طرح سے دنیا کی جمہوری ریاستوں کی صف میں لاکھڑا کرنا تھا۔ ان توقعات کی ناکامی کی متعدد وجوہات میں سے (امریکہ کی) کوتاہ نظری' سیاسی عزم کی کمزوری اور "سرد جنگ" کی طرز پر (روس کے خلاف) ازسرنو مخالفانہ کارروائیوں کے احیاء کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ عام طور پر اس بات کا صحیح ادارک نہیں کیا جاسکا ہے کہ مغرب ایک ایسے نادر ترین موقع کو گنوادینے کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے جس میں روس کے جمہوری اصلاحات کے عمل کو یقینی بنایا جاسکتا ہے اور اسے بہر صورت

دنیا کے پرامن اور خوشحال جمہوری ممالک کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں آنے والے متعدد سالوں میں روسی سیاست کے حقیقت پر مبنی متوقع رجحانات میں (ہمارے نقطۂ نظر سے) "مثالی نمونہ" (یا انتخاب) (ideal option) کی شمولیت خارج ازامکان ہے۔ نئی پیدا شدہ صورت حال میں زیادہ سے زیادہ یہی کیا جاسکتا ہے کہ ہم سرد جنگ کے حریفوں کو "سروائیول سنیاریو" کے تحت (ازسرنو) تصادم کی راہ اختیار کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ سرد جنگ کا خاتمہ ہوئے دس سال ہونے کو ہیں اور اس تناظر میں اس تجزیہ کو مایوس کن قرار دیا جاسکتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ تجزیہ دیانتداری پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں خوش کن امیدیں لگائے رکھنا روس - مغرب تعلقات کے حوالے سے نئے ضروری اقدامات اٹھانے میں تاخیر کا باعث ہوگا۔

روس - امریکہ شراکت: امید موہوم

صدر یلسن نے ۱۹۹۶ء میں اپنی انتخابی مہم کے دوران ایک مرتبہ پھر بانگ دہل کہا تھا کہ "پوری دنیا ہمارا حلقہ مفادات ہے"۔ اس سے ان کی کیا مراد تھی' اس کی وضاحت انہوں نے نہیں کی۔ بہرحال اس قسم کی وسیع خواہشات(broad ambition) مزید توضیح کی محتاج تھیں۔ چنانچہ صدر یلسن نے (اپنی دیگر تقاریر) میں کہا کہ وہ اپنی دوسری مدت صدارت میں روسی خارجہ پالیسی کے حوالے سے تین بنیادی اہداف پر توجہ مرکوز رکھیں گے۔
اولاً: آزاد ممالک کی دولت مشترکہ (CIS) کی نشو و نما اور اس کی مضبوطی اور استحکام کا حصول' ثانیاً: مغرب کے ساتھ تعلق کار میں مزید پیش رفت کا حصول اور ثالثاً: چین اور دیگر بشمول (مغرب مخالف) ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کا قیام - خارجہ پالیسی کے شعبہ میں یلسن کی یہ ترجیحات کریملن کی ۱۹۹۲ء کی خارجہ پالیسی کے تصور(concept) کے عین مطابق تھیں۔

بظاہر دکھائی یوں دیتا ہے کہ گزشتہ پانچ سالوں کے دوران ماسکو کی خارجہ پالیسی اور ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ لیکن حقیقت' خصوصاً روس - امریکہ تعلقات کے حوالے سے اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگرچہ امریکہ کے ساتھ تعلقات کریملن کے بیرونی مفادات کے "سیکنڈ سرکل" میں آتے ہیں تاہم روس نے ابتدائی سالوں کے دوران ان تعلقات کو اپنی ترجیحات میں شامل رکھا۔ ۱۹۹۲ء کی ابتدا میں صدر یلسن نے کہا تھا کہ ماضی قریب تک دنیا کے دو سپرپاور کہلانے والے ممالک کے درمیان پیدا ہو جانے والے گہرے اختلافات کو دور کیا جانا چاہیے(۱)۔

اس مقصد کے حصول کے لیے یلسن نے سرد جنگ کی باقیات کو ختم کرنے کے لیے یک طرفہ طور پر کئی ایک عملی اقدام بھی کیے۔ انہوں نے تزویراتی ہتھیاروں کی تخفیف کے لیے امریکہ کے ساتھ کئی ایک ایسے معاہدوں پر دستخط کیے جو اپنی نوعیت اور تاثیر کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ انہوں نے سیمیپلا ٹنسک اور نوفایاز ملیا کے علاقوں میں ایٹمی ہتھیاروں کے تجربات بند کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی بالٹک ریاستوں سے اپنی افواج واپس بلانے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اپنی سرزمین پر ممکنہ طور پر موجود امریکی جنگی قیدیوں کی تلاش میں روس کے تعاون پر بھی رضا مندی ظاہر کی اور امریکی صدر جارج بش اور امریکی انتظامیہ کے کئی ایک سیاسی اقدامات کی دل کھول کر حمایت کی۔

صدر یلسن کی طرف سے امریکہ کے لیے خیرسگالی کے ان اقدامات سے قطع نظر سرد جنگ کے مابعد کے دور میں روس - امریکہ تعلقات کے حوالے سے بنیادی دستاویزات --- روس اور امریکی صدور کے دستخطوں سے فروری ۱۹۹۲ء میں جاری ہونے والا "کیمپ ڈیوڈ ڈیکلریشن" اور ۱۷ جون ۱۹۹۲ء کو واشنگٹن میں منعقدہ دونوں ممالک کی سربراہی ملاقات میں طے پانے والا" "روس - امریکہ شراکت و دوستی کا چارٹر" --- دونوں ممالک کے مابین تعلقات کی نوعیت میں معیاری تبدیلی(qualitative shift) کا مظہر تھے۔ اول الذکر دستاویز میں اس بات کا عندیہ دیا گیا کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کو متوقع حریف نہیں سمجھتے۔ ثانی الذکر دستاویز میں اس سے آگے بڑھ کر کہا گیا کہ "باہمی مفاہمت اور باہمی احترام کی بنیاد پر تعلقات استوار کرتے ہوئے (روس اور امریکہ) دوستی اور شراکت کو فروغ دیں گے"(۲)۔ ان دستاویزات اور سمجھوتوں کی بدولت روسی صدر یلسن جون ۱۹۹۲ء میں امریکی کانگریس کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنائی دیے کہ "جمہوریت کے استحکام کے لیے دنیا کی دو عظیم جمہوری ریاستوں کے مابین تعاون و شراکت حقیقتاً" ایک عظیم ہدف ہے"۔ ان کے ان الفاظ کے مضمرات یہ تھے کہ اس عظیم ہدف کے حصول کے لیے اقدامات کا آغاز ہو چکا تھا(۳)۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اس کے موجودہ اور سابق صدر' مختلف وزراء (secretaries of state) اور دوسرے سرکاری حکام اس بات کے خواہشمند رہے ہیں کہ روس میں جمہوری تبدیلیوں کو فروغ حاصل ہو اور دونوں ممالک کے درمیان اشتراک کار قائم کیا جائے۔ ۱۹۹۲ء میں صدر بش پہلی مرتبہ جب بورس یلسن سے ملے تو انہوں نے ملاقات کے بعد بڑے مطمئن لہجے میں کہا تھا کہ "ہم دوستوں کی طرح ملے ہیں نہ کہ دشمنوں کی طرح (۴)۔ بل کلنٹن نے دسمبر ۱۹۹۱ء

میں اپنی پہلی صدارتی مہم کے دوران خارجہ پالیسی کے حوالے سے ایک نیا تصور پیش کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ امریکہ کی قومی سلامتی عالمی سطح پر اقتصادی اور سماجی تجدد(modernization) کے حصول سے متعلق امریکی اہداف کے حصول کی ضمانت بہت حد تک روس کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے قیام پر منحصر ہے۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں کلنٹن نے ماسکو کے ساتھ مثبت اور تعمیری روابط کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے سوال کیا:"امریکیوں کے لیے ایک جمہوری روس کیا معنی رکھتا ہے؟" پھر انہوں نے خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "دفاعی اخراجات میں کمی' ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے خطرہ میں کمی' ماحولیاتی تباہی کے خطرہ میں کمی' ہتھیاروں کی برآمد اور ان کے پھیلاؤ میں کمی' پر امن تجارت کے ذریعہ روس کے وافر وسائل تک رسائی اور امریکی برآمدات اور خدمات(services) کے لیے نئی بڑی مارکیٹ کا حصول جیسے اہم اہداف تک رسائی کا دارومدار ایک جمہوری روس کے ظہور پر ہے"(۵)۔ کلنٹن نے بحیثیت صدر امریکہ چند ایک ایسے اقدامات بھی کئے جن کا مقصد اپنے "ماضی کے حریف" کے ساتھ تعلقات کے ایک نئے باب کا آغاز کرنا تھا۔

تاہم تمام تر توقعات اور امیدوں کے برعکس گزشتہ سال کے دوران روس - امریکہ اشتراک کی راہ میں مشکلات نمودار ہوئیں۔ دونوں ممالک اس سلسلے میں ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالتے رہے ہیں۔ زبانی دعوؤں اور زمینی حقائق میں موجود زبردست تفاوت کی وجوہات کے بارے میں بھی ماسکو اور واشنگٹن کے مواقف میں یکسانگی نہیں پائی جاتی۔ ماسکو شاکی ہے کہ امریکی دفاعی حکمت کار اور سلامتی سے متعلق منصوبہ ساز روس کو جوہری ہتھیاروں کے انباروں کا مالک ایک ایسا ملک سمجھتا ہے جو احساس ذمہ داری سے محروم ہے۔ امریکہ بین الاقوامی سیاست سے متعلق بعض انتہائی اہم معاملات میں ماسکو کے ساتھ مشاورت کرنے میں ناکام رہا ہے۔ چنانچہ ماسکو کے سیاسی حلقوں میں یہ احساس جڑ پکڑنے لگا ہے کہ واشنگٹن' کم از کم موجودہ حالات میں' عالمی امور میں روسی کردار کو خارج از بحث(irrelevant) سمجھتا ہے۔روس - امریکہ تعلقات کے ضمن میں ایک ضرر رساں حقیقت یہ بھی ہے کہ امریکہ کی طرف سے روس میں جمہوری اور اقتصادی اصلاحات پر عملدرآمد کے لیے بڑے پیمانے پر جس مالی امداد کا وعدہ کیا گیا تھا وہ درحقیقت ایک علامتی رقم(token sum) تک محدود رہی ہے جو روس میں جاری اقتصادی اصلاحات کو آگے بڑھانے میں کوئی اہم کردار ادا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ روس کے تجارتی توازن میں امریکہ کا حصہ ۷ فیصد سے بھی کم ہے جو سابق سوویت ریاستوں اور یورپ کے ساتھ روسی تجارت کے حجم

سے کئی گنا کم ہے۔ امریکہ کے تجارتی توازن میں روسی حصے کا تناسب ایک فیصد کے بھی دسویں حصے کے برابر ہے جو امریکہ اور سنگا پور کے درمیان تجارت کے حجم سے کئی گنا کم ہے۔

جنگ عظیم دوم کے بعد یورپ میں جمہوریت کے تحفظ کے لیے جو "مارشل پلان" تشکیل دیا گیا تھا' روس میں جمہوریت کی ترویج اور اقتصادی اصلاحات کے فروغ کے لیے اسی طرز کے "مارشل پلان" کا تصور معدوم ہے۔ یورپ کے لیے مارشل پلان میں امریکی امداد اس کی مجموعی قومی پیداوار کے دو فیصد کے برابر تھی۔ اس کے مقابلے میں سردجنگ کے خاتمے کے بعد روس کے لیے امریکی امداد اس کی مجموعی قومی آمدنی کے ایک فیصد کے سویں حصہ کے پانچ فیصد (0.0005٪) کے برابر رہی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ روس کو بین الاقوامی برادری میں ضم کرنے کے عمل میں ناکامی کے لیے تاریخ ہمیں عبرت ناک سزا دے گی۔ بامقصد اور منظم قرضوں (امداد) کے بجائے غیر مربوط اور کبھی کبھار کی مدد مغربی ماڈل کے مطابق روسی نظام معیشت کی تشکیل نو کے لیے کوئی موثر بنیاد فراہم نہیں کرسکے گی۔ علاوہ ازیں سرد جنگ کی ناخوشگوار یادیں -- جیسے "جیکسن - وینک ترامیم" جن کے ذریعہ سوویت یونین کے ساتھ امریکی تجارت کو یہودیوں کی نقل مکانی سے مشروط کردیا گیا تھا' ابھی تک قائم ہیں۔ ماسکو کو کئی ایک بین الاقوامی تنظیموں میں شمولیت نہیں مل سکی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کے ساتھ وسعت پذیر اشتراک کے نتیجے میں روس کا خیال تھا کہ اسے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک کی تنظیم "بگ سیون" (سات بڑے) میں شامل کر لیا جائے گا جس سے یہ تنظیم "آٹھ بڑوں" کی تنظیم میں بدل جائے گی۔ لیکن روسیوں کا یہ خواب تاحال شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا ہے۔

دوسری طرف امریکی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ روس میں جمہوری تبدیلیوں کا حصول انتہائی پیچیدہ اور تکلیف دہ عمل ہے۔ امریکی سمجھتے ہیں کہ روس - امریکہ تعلقات میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جو امریکہ کے مفاد میں ہیں۔ واشنگٹن کے مقتدر حلقے مستقبل قریب میں دونوں ممالک کے مابین اقتصادیات' ٹیکنالوجی نیز سماجی شعبوں میں موجود تفاوت مزید بڑھنے کی توقعات کا اظہار کررہے ہیں۔ سرد جنگ کے دوران ہمسری کے باعث ماسکو اور واشنگٹن بین الاقوامی تعلقات کے دواہم محور بنے رہے۔ سردجنگ کے اختتام کے بعد دونوں ممالک کی طاقت وقوت میں وسعت پذیر تفاوت روس - امریکہ اشتراک کے بین الاقوامی تعلقات کا محور بننے میں اہم رکاوٹ بن کر سامنے آیا۔ سردجنگ کے دوران دونوں ممالک کے تعلقات کی نوعیت مختلف تھی۔ دونوں ممالک ایک دوسرے کی ہم پلہ طاقتیں تھیں۔ سپرپاور کی حیثیت کھو دینے کے بعد روس دنیا کی باقی ماندہ

واحد سپر پاور - امریکہ - کے ساتھ مساوی بنیادوں پر باہمی سود مند تعلقات کے قیام کی صلاحیتوں سے محروم ہو گیا ہے۔ سرد جنگ کے مابعد کے دور میں خارجہ پالیسی کی ترجیحات متعین کرنے پر مامور امریکی اہل کار روس کی اس گرتی ہوئی ساکھ کا ادراک کرنے میں ناکام نہیں رہے ہیں۔

امریکی پالیسی ساز بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا کے مختلف خطوں میں اثر و نفوذ کے حوالے سے روس کا سابق سوویت یونین سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ روس نہ صرف لاطینی امریکہ اور افریقہ بلکہ مشرق وسطیٰ، مشرقی اور جنوب مشرقی یورپ اور مشرقی ایشیا میں بھی اپنا وزن گنوا بیٹھا ہے۔ یہ ممالک ماضی میں سوویت یونین کے روایتی اثر و نفوذ اور اس کے قومی مفادات کے حامل علاقے تصور کیے جاتے تھے۔ سرد جنگ کے دوران کے سابق سوویت یونین کے برعکس جو عربوں کے معاملات میں اثر انداز ہوتا رہا ہے، روس اب اس صلاحیت سے محروم ہو گیا ہے۔ مغربی ممالک کے موقف سے قطع نظر سربوں کے ساتھ روس کے تعلقات کے حوالے سے بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ سرب، جو صدیوں سے روس کو اپنا واحد اتحادی اور سرپرست سمجھتے رہے ہیں، اب روس کے دائرہ اثر سے نکل چکے ہیں۔

واشنگٹن علاقائی تنازعات کے حل کے سلسلے میں روس کے ساتھ تعمیری اور باہمی سود مند تعاون کی جو امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھا، وہ پوری نہیں ہو سکی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو روس کی روز افزوں کمزور ہوتی ہوئی حیثیت ہے۔ ثانیاً روس علاقائی تنازعات کے حل کے سلسلے میں مغرب کی قیادت کو دل سے قبول کرنے کے لیے تیار دکھائی نہیں دیتا ہے۔ اس حوالے سے بلقان کے بحران کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ ایسے وقت میں جب ماسکو مضبوط موقف اختیار کر کے بلقان میں جاری خون خرابے کو رکوانے میں سنجیدہ کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں تھا، روس سیاسی حلقے ڈوما (پارلیمنٹ کے ایوان زیریں) میں یوگو سلاویہ کے مسئلہ پر لاحاصل بحثوں میں مصروف ہے اور نتیجتاً بحران کے حل کے سلسلے میں وہ کوئی واضح اور مستقل پالیسی اختیار کرنے میں ناکام رہے جس کے باعث ماسکو نے سربوں پر دباؤ ڈال کر علاقے میں استحکام اور امن کی بحالی میں موثر کردار ادا کرنے کا موقع کھو دیا۔ ماسکو کی اس کمزوری کے باعث ماسکو نہ صرف بلقان کے تنازعے کے حل کے سلسلے میں ایک غیر موثر بیرونی قوت کے طور پر سامنے آیا بلکہ اس سلسلے میں وہ اپنے شریک کار - امریکہ - کے لیے غیر اہم بن کر رہ گیا۔ روس اور مغرب کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی کی ایک اور مثال "مشرق وسطیٰ میں قیام امن کا عمل" ہے۔

سوویت یونین کا جانشین ہونے کی حیثیت سے روس میڈرڈ امن مذاکرات کا مشترکہ سرپرست

(cochair) تھا۔ لیکن روسی سفارت کار سالہا سال تک اس عمل سے لاتعلق رہ کر اپنے اس استحقاق(privilege) سے چشم پوشی کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے اس خطے میں بہت کم دلچسپی دکھائی اور "نتیجتاً" انہیں تمام اہم فورموں اور بحث و مباحثہ (مکالمہ) کے موقع سے "کلیتاً" خارج کردیا گیا۔

اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سردجنگ کے خاتمہ کے بعد روس امریکہ کو کوئی ایسی قائل کرنے والی وجوہات فراہم کرنے میں ناکام رہا جن کے نتیجے میں امریکہ بین الاقوامی سیاسی معاملات اور فوجی اقدامات کے سلسلے میں اس سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتا۔ ان تمام حقائق سے قطع نظر ماسکو امریکہ کی طرف سے اہم بین الاقوامی امور میں اس کے ساتھ مشاورت نہ کرنے کے رویے کو دونوں ممالک کے مابین تزویراتی اشتراک کے سمجھوتے سے انحراف اور روس کو بین الاقوامی سیاست سے دور رکھنے کی دانستہ امریکی کوششوں پر محمول کرتا ہے۔

ناٹو کی توسیع: بڑھتی ہوئی کشیدگی کا سبب

۹۵-۱۹۹۴ء میں چند غیر اہم اور بعض دیگر بڑے مسائل پر امریکہ اور روس کے درمیان اختلافات ابھر کر سامنا آنا شروع ہوئے۔ اس دوران دونوں ممالک کے تجزیہ نگاروں نے ان خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا کہ سرد جنگ نے صرف "سرد امن" کو جنم دیا ہے۔ ان کے مطابق سرد جنگ کے دوران کے حریفوں - امریکہ اور روس - کے مابین قریبی تعاون کے رشتوں کے قیام کے عمل میں ایک طول پکڑتا ہوا توقف(lingering pause) حائل ہوگیا ہے۔ بوسنیا کے معاملے میں اور عراق کے خلاف پابندیوں کے نفاذ پر دونوں ممالک میں کشیدگی دیکھنے میں آئی۔ روس کی طرف سے جوہری ایکٹروں کی فروخت کے منصوبے اور جوہری اسلحہ کے پھیلاؤ کے سلسلے میں امریکیوں کی "واچ لسٹ" میں شامل ممالک - انڈیا' ایران اور کیوبا - کو جوہری ٹیکنالوجی کی فراہمی پر ماسکو کی رضامندی نے دونوں ممالک کے تعلقات میں کشیدگی کے رجحان کو مزید بڑھایا۔

تاہم اس دوران میں دو اہم معاملات ماسکو - واشنگٹن تعلقات میں زبردست بگاڑ کا سبب بنے اور توقع یہی ہے کہ یہ معاملات مستقبل میں بھی ماسکو - واشنگٹن تعلقات میں مستقل بگاڑ کا سبب بنے رہیں گے۔ یہ دو اہم معاملات ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع اور سابق سوویت ریاستوں میں روس کے "خصوصی مفادات" تسلیم کیے جانے سے متعلق تھے۔ ان دو معاملات کا مستقل حل ہی مستقبل میں روس - امریکہ تعلقات کی سمت کا تعین کرے گا اور مزید یہ کہ آنے والے متعدد

سالوں کے دوران بین الاقوامی سطح پر سرگرم سیاسی قوتوں میں توازن کا انحصار بھی انہی معاملات کے حل پر منحصر ہوگا۔ دونوں معاملات کے حل کے سلسلے میں خوش امیدی کی وجوہات بہت کم ہیں۔ اگرچہ پیرس میں ناٹو اور روس کے مابین طے پانے والے باہمی تعلقات اور تعاون کے سلسلے میں "فاونڈنگ ایکٹ" پر دستخطوں کی بہت زیادہ تشہیر کی گئی۔

۱۹۹۴ء میں جب صدر کلنٹن نے - معاہدہ وارسا کے سابق ممبر - مشرقی یورپ کے ممالک کو ناٹو میں رکنیت دے کر اس میں توسیع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ابتداً ماسکو نے ان کے اس اعلان کو امریکی داخلی سیاست کا تقاضا سمجھا۔ روسی تجزیہ نگاروں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ۱۹۹۴ء میں ریپبلکن پارٹی کی کانگریس میں فتح نے امریکی صدر کو ایسے اقدامات کے اعلانات کرنے پر مجبور کردیا ہے جس سے امریکہ کی سردجنگ میں جیت اور بین الاقوامی امور میں اس کے قائدانہ کردار کے تحفظ کا علامتی اظہار ہو۔ روسی، صدر کلنٹن سے یہ توقع لگائے ہوئے تھے کہ وہ ۱۹۹۱ء کے اپنے اس تصور (concept) سے مکمل وابستگی کا مظاہرہ کریں گے جس کی رو سے دونوں ممالک کے مابین مساوات کی بنیاد پر قریبی اور تعمیری تعلقات کو امریکی خارجہ پالیسی کی ترجیحات میں شامل کیا گیا تھا۔ چنانچہ روسی سیاسی حلقے صدر کلنٹن کی طرف سے مشرق کی سمت ناٹو کی توسیع پر اصرار کے باوجود یہ توقع رکھتے تھے کہ امریکہ (یا صدر کلنٹن) ماسکو کے ساتھ تصادم کی راہ اختیار نہیں کرے گا۔ روسی تجزیہ نگاروں کو یہ توقع قطعاً نہیں تھی کہ تعاون پر مبنی (اجتماعی) سلامتی کا علمبردار کلنٹن یکدم طاقت کے توازن پر اعتقاد رکھنے والا حقیقت پسند (balance of power realist) بن کر سامنے آئے گا۔

تاہم حقیقتاً یہی کچھ ہوا۔ ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع کو امریکی خارجہ پالیسی کی اولین ترجیح قرار دیکر صدر کلنٹن نے ماسکو کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں ایک تکلیف دہ عامل کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا۔ نہ تو صدر کلنٹن کی تقاریر میں اور نہ ہی دیگر امریکی اہل کاروں کے بیانات میں ایسے کسی منطقی جواز کی طرف اشارہ کیا گیا جو روس کے پڑوسی ممالک کو بظاہر عجلت میں کئے گئے فیصلے کی رو سے سردجنگ کے دوران کے فوجی بلاک (ناٹو) میں رکنیت دینے کی ضرورت کی بنیاد بن سکتا ۔ ان ممالک کی آزادانہ ترقی کے عمل میں کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ نہ ہی انہیں ماسکو کی طرف سے کس خطرے کا سامنا تھا۔ ناٹو میں مشرقی یورپ کے ممالک کی شمولیت کی تائید کرتے ہوئے صدر کلنٹن نے ایک موقعہ پر کہا کہ "آہنی پردے" کو "بے اعتنائی کے لبادے" (cloak of indifference) میں تبدیل نہیں کیا جانا چاہئے۔ امریکہ کی طرف سے ناٹو کی توسیع پر اصرار

کے نتیجے میں واشنگٹن کی روسی مفادات اور خدشات سے بے اعتنائی کا واضح تر اظہار ہوتا ہے۔

اگرچہ روسی عوام کے لیے بین الاقوامی امور میں ان کے ملک کا کردار چنداں اہمیت کا حامل نہیں تھا، تاہم ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع کے نتیجے میں روس کو ظاہرا" لاحق ہونے والے خطرات نے روسی عوام کی سیاسی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ اس بیداری کے نتیجے میں ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے روسی سیاسی حلقوں میں - کم از کم اس ایک مسئلہ پر - زبردست اتحاد کا مظاہرہ ہوا۔ روسی سیاسی منظر کے تمام حصے -- حکومت اور اپوزیشن، دایاں اور بایاں بازو، عقاب اور فاختائیں، کٹر اور نرم رو --- ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع کی مخالفت میں متحدہ موقف اختیار کرچکے ہیں۔ سوویت دور کے مابعد کے روس میں خارجہ پالیسی کے ایک اہم معاملہ پر اس قسم کے مکمل اتفاق رائے کا مشاہدہ کبھی بھی سامنے نہیں آیا۔ امریکہ کے سیکرٹری دفاع ولیم پیرے نے ۱۹۹۶ء کے موسم خزاں میں اپنے دورہ ماسکو کے بعد تسلیم کیا کہ: "روسی ہر سطح پر ناٹو کی توسیع کے مخالف ہیں۔ ہر سطح پر وہ ناٹو کے بارے میں شکوک و شبہات، خوف اور اضطراب کا شکار ہیں"(۶)

ناٹو کی توسیع کے خلاف اس مکمل قومی ہم آہنگی اور اتحاد کے باوجود اس توسیع کے نتائج و مضمرات اور روس کی طرف سے جوابی حکمت عملی کے بارے میں متعدد آراء پائی جاتی ہیں۔ امریکہ سے خوفزدہ(Americaphobes) اور اطلسیت مخالف(Anti - Atlanticists) عناصر نے ناٹو کی توسیع کی "روس مخالف حیثیت" کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ماضی کے چند سالوں میں کریملن کی طرف سے -- خصوصا" آندرے کو زیروف کے وزارت خارجہ کے دور میں --- اختیار کردہ عمومی طور پر مغرب نواز خارجہ پالیسی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ یہ عناصر حقیقتاً" مغرب کے لیے بری نیت رکھتے ہیں اور روس - مغرب تعلقات میں بگاڑ کی زبردست خواہش رکھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اسی صورت میں (روسی) خارجہ پالیسی سے متعلق ان کے تصورات کو عوامی حمایت حاصل ہو سکے گی۔

دوسری طرف اطلسیت کے حامی(Atlanaticists) جدید دور میں ناٹو کو جارحیت پسند فوجی - سیاسی اتحاد گرداننے کو درست تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں ناٹو کی توسیع کے روس مخالف مضمرات پر مغرب کی طرف سے روس کے ساتھ تعاون کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے ذریعے قابو پایا جاسکتا ہے۔ ان حلقوں کے مطابق (سابق وزیرخارجہ آندرے کوزیروف کے الفاظ میں) "مغرب کی طرف سے مشرقی یورپ کے ممالک کو ناٹو میں شامل کرنے کی مہم کا مقابلہ یا مزاحمت

کرنا روس کے لیے خود شکست خوردگی کا باعث ہوگا کیونکہ روس ناٹو کی توسیع روکنے کے ذرائع (اور صلاحیت) سے محروم ہے"(۷)۔ اس موخر الذکر موقف کو "روس - ناٹو فاونڈنگ ایکٹ" پر دستخطوں کے بعد مزید پذیرائی ملی ہے۔

ناٹو میں توسیع پر بحث و مباحثہ کے دوران روس میں بعض انتہا پسندانہ خیالات کا بھی اظہار کیا گیا۔ انتہائی دائیں(for_right) اور انتہائی بائیں بازو(for_left) سے تعلق رکھنے والے بعض سیاسی گروپوں نے مشرق کی سمت ناٹو کی توسیع اور اس میں پولینڈ' ہنگری اور چیک ریپبلک کو رکنیت دینے (اور مستقبل میں متوقع طور پر ناٹو میں یوکرین اور بالٹک ریاستوں کی شمولیت) کے عمل کا موازنہ منگولوں کی یلغار نیز نپولین کے روس اور نازی جرمنی (ہٹلر) کے سوویت یونین پر فوجی حملوں سے کیا۔ ان گروپوں نے ناٹو کی توسیع کے مضمرات کے تدارک کے لیے فوری حفاظتی دفاعی تدابیر اختیار کرنے پر زور دیا۔ ایک اور زیادہ معتدل نقطۂ نظر یہ ہے کہ روس کا ردعمل خود ماسکو کی طرف سے ناٹو میں شمولیت کی کوشش ہونی چاہیے۔ اس نقطۂ نظر کے حامل سیاسی عناصر کا کہنا ہے کہ روس ابتدا" مغربی بلاک کے سیاسی ڈھانچوں میں شمولیت اختیار کرے اور مستقبل میں کسی وقت اس کی فوجی تنظیم میں بھی شمولیت کی راہ کھلی رکھے۔

ناٹو کی توسیع کے بارے میں ماسکو کے موقف کے تعین میں فوج کا کردار بڑا اہم رہا ہے۔ مثال کے طور پر روس کے وزیر دفاع کا کہنا تھا کہ پولینڈ' ہنگری اور جمہوریہ چیک کی شمولیت کے بعد ناٹو کے زیر اثر علاقہ میں مشرق کی سمت ۶۵۰ سے ۷۵۰ کلو میٹر تک اضافہ ہو جائے گا۔ اس صورت میں روس اور ناٹو کے درمیان "بفرزون" تشویش ناک حد تک کم ہو جائے گا اور نتیجتا" روس کے خلاف حملے کی صورت میں اس کے اینٹی بیلاسٹک میزائل کے نظام کے استعمال کے لیے بروقت آگاہی کے لیے درکار وقت بھی انتہائی مختصر رہ جائے گا۔ مزید برآں مغرب میں روس کی سرحدی افواج کے اڈے کا "لینن گراڈ" کو ناٹو کی افواج سے براہ راست اتصال (direct contact) اور آمنے سامنے ہونے کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ناٹو کی بری افواج کی تعداد ۴۷ ڈویژن سے بڑھ کر ساٹھ ڈویژن ہو جائے گی جبکہ اس کے بریگیڈز کی تعداد ۱۰۱ سے بڑھ کر ۱۳۰ ہو جائے گی۔ اسی طرح ناٹو کے مین بیٹل(main battle) ٹینکوں کی تعداد میں ۲۹ فیصد جبکہ بکتربند گاڑیوں میں ۳۲ فیصد اور آرٹلری میں ۱۸ فیصد اضافہ ہو جائے گا۔

روس کے جنرل سٹاف نے اپنے جداگانہ تجزیے میں مزید کہا کہ امریکہ کی طرف سے یورپ سے اپنے ۱۱۵ جنگی جہاز واپس بلا لینے کے باوجود ناٹو کی توسیع کی صورت میں پولینڈ' ہنگری اور چیک

جمہوریہ کے ۱۳۱ے (جنگی) جہاز شامل کر لیے جائیں گے۔ مزید یہ کہ امریکہ کی طرف سے تیرہ سو ٹینک یورپ سے نکالنے کے باوجود ناٹو کے آرمرڈ (بکتر بند) دستوں میں ۴۰۰ء۳ سابق سوویت ساخت کے ٹینک شامل کر لیے جائیں گے جن کے عملے کا تعلق پولینڈ' ہنگری اور چیک جمہوریہ سے ہوگا۔ ناٹو کی فضائی قوت میں بھی خاصا اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے لڑاکا جہازوں کی تعداد میں ۱۷ فیصد اور لڑاکا ہیلی کاپٹروں کی تعداد میں ۱۳ فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ ناٹو کو مختلف درجہ کے ۲۹۰ فضائی مستقر بھی مل جائیں گے جن کی مدد سے ناٹو کے لیے روس کے دوردراز کے تزویراتی اہمیت کے حامل اثاثوں پر مشتمل مقامات مثلاً" کرسک' بریانسک اور سمولنسک کے علاوہ مغربی اور وسطی روس کے دیگر بڑے شہروں کو ہوائی حملوں کا نشانہ بنانا آسان تر ہو جائے گا۔ ناٹو کو ۱۲ سے زیادہ اینٹی میزائل کمپلکس بھی ہاتھ آجائیں گے۔ ناٹو کے مواصلاتی ڈھانچے میں ۲ لاکھ ۸۰ ہزار کلو میٹر سے زائد طویل سڑکوں' ۴۴ ہزار کلو میٹر سے زائد لمبی ریلوے لائنوں اور پانچ ہزار دو سو کلو میٹر سے بھی زیادہ طویل پائپ لائنوں کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس کی نئے علاقائی حدود میں اسے پانچ سوپچاس سے زائد اسلحہ کے ڈپوؤں اور درجنوں ملٹری ٹیسٹنگ رینجز (فوجی مشقوں کے لیے مخصوص علاقوں) پر دسترس حاصل ہو جائے گی۔ ناٹو کی بحری طاقت میں ۱۸ فیصد کی شرح سے اضافہ ہو جائے گا۔ بحرِبالٹک پر پولینڈ کی اہم بندرگاہوں کے ناٹو کے زیرِ تصرف آنے کے بعد روس کا بالٹک بحری بیڑا مکمل طور پر ناٹو کے حصار میں آجائے گا۔ چنانچہ روسی فوجی قیادت ان خدشات میں مبتلا ہے کہ ناٹو کی توسیع کی صورت میں روس اچانک حملوں (sudden attacks) کی زد میں آجائے گا۔

ناٹو کی توسیع سے متعلق روسی تشویش میں جوہری پہلو بھی شامل ہے۔ روس کے جنرل سٹاف کے اول نائب صدر جنرل نیکو لائی پائیچف کی رائے میں روس کی سرحدوں تک توسیع کے بعد ناٹو اپنے ٹیکنیکل ایٹمی ہتھیاروں کو روس کے مقابلہ میں تزویراتی ہتھیاروں میں بدل لے گا۔ جس سے موخر الذکر براہ راست ایٹمی حملہ کی زد میں آجائے گا۔ پائیچف کے خیال میں مجوزہ تبدیلی کے نتیجے میں یورپ میں طاقت کے توازن' استحکام اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ پائیچف نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ طاقت کے توازن میں غیر معمولی تبدیلی ایک بار پھر اسلحہ کی دوڑ کو جنم دے گی(۸)۔ روسی افواج مسلسل اس بات کا اظہار کرتی رہی ہیں کہ ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع روس اور اس کی افواج کو جوابی اقدامات کرنے پر مجبور کردے گی اور روس کی قومی سلامتی کو مضبوط بنانے کے لیے "تمام ضروری اقدامات" اٹھانا ضروری ہو جائیں گے۔

فوجی کی جانب سے اس طرح کے خدشات کے اظہار کے بعد روسی پالیسی سازوں کے سامنے بنیادی سوال یہ ہے کہ ناٹو کی توسیع کے سلسلے میں روسی ردعمل بنیادی طور پر سیاسی نوعیت کا ہونا چاہیئے یا فوجی نوعیت کا۔ سیاسی نوعیت کا ردعمل اختیار کرنے کی صورت میں جوابی اقدامات سے احتراز کیا جائے گا اور یورپی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے باہمی تعاون کے ذرائع کی تلاش جاری رکھی جائے گی۔ اس دوران روس خام مال کی منڈیوں میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لیے مزید بیرونی سرمایہ کاری اور نئی ٹیکنالوجی تک رسائی کے حصول کا مطالبہ کرے گا۔ اس صورت میں روس بعض مراعات کا بھی مطالبہ کرسکتا ہے اور امکان ہے کہ اسے بعض مراعات واقعتاً دے بھی دی جائیں گی۔ ناٹو کی توسیع کے سلسلے میں روسی ردعمل کی دوسری صورت فوجی نوعیت کی ہوسکتی ہے جس کے نتیجے میں روسی حکومت ملکی دفاع میں مزید سرمایہ کاری پر مجبور ہوگی۔

ناٹو میں توسیع کی مخالفت میں مکمل اتفاق رائے کے برعکس مجوزہ توسیع کے خلاف روسی ردعمل کا تعین کرنا ماسکو کے لیے ایک صبر آزما اور تکلیف دہ عمل رہا ہے۔ تمام روسی زعما کم از کم اس بات پر متفق ہیں کہ واشنگٹن کا یہ اقدام روس کے لئے "غیر دوستانہ" ہے۔ روسی پالیسی سازوں کی اکثریت اس حقیقت کا اقرار کرتی ہے کہ روس ناٹو کی توسیع روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ چنانچہ ان کی رائے ہے کہ روس کو اپنی سلامتی کو لاحق متوقع خطرات کم سے کمتر کرنے کے لیے مغرب اور امریکہ سے "مراعات" کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ناٹو اور دیگر اہم مغربی ممالک کے لیڈروں سے مذاکرات کی ضرورت پر بھی روس میں تقریباً اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ چند اہم مسائل اختلاف و افتراق کا باعث بھی بنے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا ماسکو کو ناٹو کی شرائط پر اس کے ساتھ ایک چارٹر پر دستخط کرکے اس کے توسیعی پروگرام پر عملاً" (de facto) رضا مندی کا اظہار کردینا چاہیئے یا نہیں؟ قانونی طور پر پابندی سے مستثنیٰ (non-bunding) چارٹر پر دستخطوں کے مخالفین روسیوں کو یاد دلارہے ہیں کہ جب سابق صدر گورباچوف نے مشرق یورپ سے سوویت افواج واپس بلانے کا فیصلہ کیا تو مغرب نے زبانی طور پر یہ ضمانت دی تھی کہ ناٹو کو مشرق کی سمت ہرگز توسیع نہیں دی جائے گی(۹)۔ کریملن کے حکمرانوں اور امریکہ' جرمنی اور انگلینڈ کے لیڈروں کے مابین ہونے والے مکالموں کو ٹرانسکرپٹ کی شکل میں نہ صرف محفوظ رکھا گیا ہے بلکہ روسی وزارت خارجہ کے شعبہ دستاویزات نے اسے شائع بھی کر دیا ہے۔ چارٹر پر دستخطوں کے مخالفین کے مطابق اگر روس اس وقت اس وعدہ کی تحریری یقینی دہانی حاصل کرلیتا تو شاید آج اسے ناٹو کی

توسیع جیسی تکلیف دہ حقیقت کا سامنا نہ کرنا پڑرہا ہوتا۔ اکثر روسی تجزیہ نگاروں نے ناٹو کے ساتھ قانونی طور پر قابل التزام معاہدہ و میثاق کی ضرورت کی کھل کر حمایت کی جس میں وسعت پذیر ناٹو اور روس کے مابین سلامتی سے متعلق روابط کے تعین کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی سیاسی اور فوجی یقین دہانیاں (commitments) بھی شامل ہوں۔

روس کے لیے سب سے بڑی مشکل امریکہ اور مغرب کو روس کے ساتھ معاملہ کرنے کی ضرورت تسلیم کرنے اور ماسکو کے جائز مطالبات پورے کرنے کے لیے اقدامات اٹھانے پر مجبور کرنا ہے۔ جیسا کہ ہیلسنکی کانفرنس کے نتائج سے واضح ہوا' روس کے قومی مفادات کے تحفظ کے ساتھ ساتھ مغرب کے ساتھ غیر ضروری تصادم سے بچا جاسکتا ہے۔ اگرچہ صدر یلسن کے بعض مخالفین نے ہیلسنکی کانفرنس کے دوران صدر کلنٹن کے ساتھ ملاقات میں ان کے اقدامات کو "ہیلسنکی شکست" سے تعبیر کیا' تاہم میرے نقطۂ نظر سے یہ تجزیہ مبنی بر انصاف نہیں ہے۔

روس کے "قریبی بیرون" میں اس کے مفادات

گو کہ ناٹو کی توسیع پر دونوں ممالک کے مابین کسی حد تک مفاہمت ہوچکی ہے' تاہم "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" (CIS) میں شامل سابق سوویت ریاستوں کے ساتھ روس کے تعلقات کی نوعیت پر امریکہ - روس اختلافات فوری تشویش کا باعث بن گئے ہیں۔ روسیوں کے لیے یہ تعلقات ہمیشہ سے انتہائی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ روس اور ان ریاستوں کی ایک دوسرے پر انحصار کے شکنجے میں جکڑی ہوئی معیشتیں' مشترکہ تاریخ' ان میں مشترک تہذیبی عناصر کی موجودگی' ذاتی روابط اور خاندانی (نسلی) وابستگیاں ایسے عناصر ہیں جو روس کی طرف سے ان ریاستوں کے ساتھ مستحکم روابط کے قیام کو اس کی ضرورت بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں روس اور امریکہ دونوں کی ڈپلومیسی میں بعض غلط اقدامات نے ایک پالیسی ویکیوم (حکمت عملی کا خلا) پیدا کردیا ہے اور ایسے بڑھتے ہوئے اختلافات کو جنم دیا ہے جن سے بہرصورت بچا جاسکتا تھا۔ سوویت یونین کے بعد کے ابتدائی سالوں میں امریکہ اور متعدد دیگر مغربی طاقتوں نے (CIS میں شامل) ان ریاستوں میں "استحکام کے ضامن" کی حیثیت سے روسی کردار کی حمایت کرنے کا رویہ اپنایا۔ یہ بات عیاں تھی کہ باہمی اقتصادی روابط' سیاسی تعاون اور سلامتی سے متعلق اجتماعی انتظامات CIS میں شامل تمام ممالک کے مفاد میں ہوں گے بشرطیکہ یہ تمام اقدامات آزادی ارادہ' ایک دوسرے کے استقلال و آزادی کے مکمل احترام اور دھمکی اور دھونس سے احتراز کے اصولوں پر مبنی ہوں۔

بدقسمتی سے روس ان ریاستوں کے ساتھ باہمی سود مند تعلقات کے قیام میں ناکام رہا۔ ماضی میں سوویت سپر پاور کے عہد سے وراثت میں ملنی والی عالمیت(globalism) کے خول میں بند اور اپنے قریب ترین پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کا رویہ اپناتے ہوئے روس نے اپنے "قریبی بیرون" (Near Abroad) کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون مضبوط کرنے پر بہت کم توجہ دی۔ ماسکو (سوویت انہدام کے بعد بھی) سابق سوویت ریاستوں سے سوویت عہد کے فرمانبردارانہ رویے کی توقع رکھے ہوئے تھا۔ ماسکو کے اس رویے کی بنا پر وہ سابق سوویت خطے میں اپنے لئے قائدانہ کردار کے حصول میں ناکام رہا۔

جزوی طور پر روسی ناکامی کے نتیجے میں واشنگٹن خطے میں ماسکو کی خصوصی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے (کم از کم) روس کے برابر اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لیے مصروف عمل ہوگیا۔ چنانچہ واشنگٹن نے (CIS) میں شامل دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کرنا شروع کئے۔ اس سلسلے میں واشنگٹن اور یوکرین کے درمیان خصوصی تعلقات کا قیام روسیوں کے نقطۂ نظر سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ روسی تجزیہ نگاروں اور مبصرین کی رائے میں واشنگٹن کے کیف (یوکرین) سے تعلقات کا مقصد ماسکو اور کیف میں قربت کا سدباب کرنا ہے۔ سابق سوویت ریاستوں سے متعلق واشنگٹن کی پالیسی میں روس - مخالف جانبداری کیف (یوکرین) تک محدود نہ رہ سکی۔ واشنگٹن نے بحیرہ کیسپین کی قانونی حیثیت کے مسئلہ پر آذری اور قازق موقف کی تائید کی۔ نگورنو کاراباخ تنازعہ کے حل کے سلسلے میں روسی تجاویز اور منصوبوں کو مسترد کرتے ہوئے واشنگٹن نے اس تنازعے کو ختم کرنے کے لیے "ڈیٹن سولوشن" Dayton solution کو ترجیح دینے کا رویہ اپنایا۔ مزید برآں واشنگٹن نے "کیسپین آئل پائپ لائن" کے لئے ترکی کی تجویز کی زبردست حمایت کی۔ واشنگٹن کے یہ تمام اقدامات (خطے میں) روسی عزائم سے براہ راست متصادم تھے۔ امریکہ کی طرف سے خطے میں روسی اثر و نفوذ کو بیلنس کرنے کے لیے سیاسی، اقتصادی اور فوجی متبادل(counter weights) قوتوں کے قیام کی کوششوں نے امریکہ - روس تعلقات کی نوعیت کافی حد تک پیچیدہ بنادی ہے۔

امریکہ کو آزاد ممالک کے ساتھ تعلقات کے قیام میں آزادی ہونی چاہئے، یہ بات تو بہت ظاہر ہے۔ مگر امریکہ کو باہمی تعاون کے ان تعلقات کو روس - مخالف کوششوں میں نہیں بدلنا چاہئے۔ روس - بہت حد تک فطری طور پر - خطے میں امریکی سرگرمیوں کو روس کے قومی مفادات کو چیلنج کرنے سے تعبیر کرتا ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح امریکہ لاطینی امریکہ میں روسی

مداخلت کو واشنگٹن کے قومی مفادات کو چیلنج کرنے کے مترادف سمجھے گا۔ خطے سے متعلق امریکی پالیسی میں "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" میں شامل ممالک کے مابین قریبی تعاون کی اہم ضرورت کیا اعتراف کیا جانا چاہئے۔ خطے کے ممالک کے مابین یہ قریبی تعاون ایک ایسا اشتراک ہونا چاہئے جس میں روس لازماً" فریق ہو۔ سابق سوویت ریاستوں کے مابین پہلے سے موجود روایتی طور پر باہمی سود مند تعلقات مزید وسیع اور مضبوط کئے جانے چاہئیں۔ امریکہ کو خطے میں (از سرنو) انضمام کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا چاہئے۔ یہ انضمام عالمی استحکام اور بین الاقوامی سلامتی کو مضبوط بنانے کا باعث بنے گا۔

روس کے مستقبل (کی خارجہ پالیسی) سے متعلق مختلف منظرنامے

اگر ناٹو مشرق کی سمت توسیع کے عمل کو جاری رکھتا ہے اور یوکرین' لٹویا' لتھوینیا اور اسٹونیا جیسی سابق سوویت ریاستوں کو (مستقبل میں) ناٹو میں رکنیت دینے کی پالیسی جاری رہتی ہے' مزید براں اگر مغرب سابق سوویت خطے میں روس کو اپنا اہم حریف سمجھنے کی پالیسی برقرار رکھتا ہے تو روس اپنے آپ کو "غیر دوست" ممالک کے حصار میں جکڑا ہوا سمجھنے پر مجبور ہو گا۔ مغرب میں اس کا سامنا ناٹو کے ممبر ممالک سے ہوگا یا ایسے ممالک سے جو سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں مکمل طور پر مغرب پر انحصار کرتے ہیں۔ جنوب میں روس کو مسلم دنیا کے وجود کا احساس ہو گا۔ ایشیا کے دوسرے حصوں میں اسے چین کا سامنا کرنا ہو گا جس کی طاقت اور اثر و رسوخ تو روز افزوں وسعت پذیر ہے لیکن مستقبل میں جس کی سیاسی اور دفاعی حکمت عملیاں اور روس سے متعلق اس کی پالیسی غیر یقینی کے پردوں میں لپٹی ہوئی ہیں۔

دباؤ کے یہ عناصر روسی فیڈریشن میں پہلے سے موجود تقسیم اور ٹوٹ پھوٹ کے آثار کی مزید تقویت کا باعث بنیں گے۔ روس میں موجود دیگر خود مختار علاقے (روس میں اس وقت ۲۰ خود مختار علاقے موجود ہیں) چیچنیا کی راہ اختیار کرتے ہوئے ماسکو سے آزادی کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہو گا جو انجام کار روس کو "گرانڈ ڈچی آف ماسکو" (Grand Duchy of Moscow) کے علاقوں تک محدود کرنے پر منتج ہو گا۔ اس صورت میں عالمی برادری کو متحدہ روس (روسی فیڈریشن) کے بجائے' جو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کا مستقل رکن ہے' چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں کے ایک جھنڈ سے معاملہ کرنا ہو گا۔

مذکورہ بالا امکان کو یکسر مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ آسٹرو ہنگارین شاہنشاہیت جو صدیوں قائم رہی'

کے زوال کے بعد دس سے زائد آزاد ممالک وجود میں آئے۔ بین الاقوامی معاملات میں اہم کردار کے حامل تقریباً سو ممالک ایسے ہیں جو فرانسیسی اور برطانوی سلطنتوں کے زوال کے نتیجے میں آزادی سے ہمکنار ہوئے۔ متعدد قومیتوں پر مشتمل روسی فیڈریشن بھی اسی انجام سے دوچار ہوسکتی ہے۔ لیکن روس کے معاملے میں ٹوٹ پھوٹ ایک بالکل نئے قسم کے خطرہ کو جنم دے گی۔ یہ خطرہ جوہری ہتھیاروں کے (وسیع) پھیلاؤ کا ہے۔ فیڈریشن سے آزادی حاصل کرنے والی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جوہری ہتھیاروں کے روسی ذخائر میں حصے داری کا دعوی کرسکتی ہیں۔ ان کی دلیل شاید یہ ہوگی کہ ان ہتھیاروں کی تیاری یا ان کی تنصیب(deployment) ان کے علاقوں میں ہوئی تھی۔ ان حالات میں روسی اپنے آپ کو ہر اس ممکنہ اقدام پر مجبور پائیں گے جو ملک کی مزید تقسیم کو روکنے کے لیے ضروری ہو گا۔

آنے والے سالوں میں روسی خارجہ پالیسی کئی ایک متعین سمتیں اختیار کرسکتی ہے۔ یہاں میں تین مخصوص "منظر ناموں"(scenarioes) پر بحث کروں گا: قوم پرستی پر مبنی طاقت کا منظرنامہ' سردجنگ دوم کا منظرنامہ اور قدرے معتدل بقا کا منظر نامہ ۔ روسی خارجہ پالیسی کے مستقبل کے ان تینوں منظر ناموں میں روس کا مقصد اولین بین الاقوامی سیاست میں اسے غیر اہم قرار دینے(margivalization) کے رجحان کی روک تھام اور اس کے کم ہوتے ہوئے اثر و نفوذ کو پھر سے قائم کرنا ہوگا۔ ان تینوں منظرناموں میں سے ہر ایک میں روس کے اس اولین مقصد کے حصول کے لیے مختلف ذرائع استعمال کئے جائیں گے۔

طاقت کا منظر نامہ

پہلا اور سب سے خطرناک امکان روس کی طرف سے ایسی پالیسی اختیار کرنا ہے جسے میں "پاور سیناریو" کا نام دوں گا۔ اس انتخاب(option) کے حامی (اور علمبردار) "متحدہ اور غیر منقسم روس" کی بقاء کے لیے داخلہ اور خارجہ پالیسیوں میں بنیادی تبدیلیاں متعارف کرائیں گے۔ یہ لوگ ڈکٹیٹر شپ (مطلق العنانیت) کی بحالی چاہیں گے اور قوم کو بیرونی "دشمن" کے خلاف متحرک اور بیدار کرنے کے لیے فوری فوجی اقدامات اٹھائیں گے۔ ان اقدامات میں روس کی طرف سے جوہری ہتھیاروں کے استعمال میں پہل نہ کرنے کے اعلان کی منسوخی' سٹارٹ -۱ معاہدہ پر عملدرآمد بند کرنے کا اعلان' سٹارٹ -۲ معاہدہ نیز کیمیائی ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدہ (CWC) کی توثیق نہ کرنے کا اعلان' حیاتیاتی ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدہ (BWC) کی منسوخی (یا یک

طرفہ طور پر اس سے علیحدگی کا اعلان) اور وسیع پیانے پر مسلح افواج کی بحالی شامل ہوں گے۔ مسلح افواج کی تشکیل نو کے لیے اضافی بین البراعظمی بیلسٹک میزائلوں اور درمیانے اور چھوٹے فاصلے تک مار کرنے والے SS-۲۰ جیسے میزائلوں کے حصول پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔ ان اقدامات میں سے بعض کے لیے کثیر سرمایہ درکار ہو گا جبکہ بعض دیگر -- جیسے اسلحہ پر پابندی اور کنٹرول کے سلسلے میں کئے گئے معاہدات سے علیحدگی یا ان کی توثیق کرنے سے انکار -- ان اقدامات کے حامیوں کے مطابق سرمایہ بچانے کا سبب ہوں گے کیونکہ ان کے نتیجے میں ان معاہدوں پر عملدرآمد کی ذمہ داریاں پوری کرنے پر اٹھنے والے اخراجات بچا لیے جائیں گے۔ اس سیناریو میں روس کے فوجی منصوبہ ساز مغربی ممالک کو "تزویراتی شریک کاروں" کی فہرست سے خارج کرکے ملک کی سلامتی کے لیے خطرہ بننے والے ملکوں کی فہرست میں شامل کرلیں گے۔ روس دفاعی حکمت کاروں کی یہ سوچ بذات خود "جوہری سد جارحیت" (nuclear deterrence) کی حکمت عملی کے احیا کے مترادف ہو گی۔ واضح رہے کہ روس میں جوہری حکمت عملی کے حوالے سے یہ رجحان پہلے ہی تقویت پکڑرہا ہے۔

قوت کے اس منظرنامے میں "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" (CIS) میں شامل ممالک کے حوالے سے سخت پالیسی اختیار کی جائے گی۔ ان حالات میں CIS ممالک میں آباد روسی النسل باشندوں کا مسئلہ شدت اختیار کرجائے گا۔ ماسکو ان روسی النسل باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے تمام تر وسائل بروئے کار لائے گا جن میں متعلقہ ممالک کے خلاف اقتصادی پابندیوں کا نفاذ اور انہیں سیاسی دھمکیوں کا نشانہ بنانا شامل ہو سکتا ہے۔ ماسکو روسی النسل باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ متعلقہ ممالک کے دیگر (داخلی و خارجی) امور میں بھی اپنا اثر و نفوذ پھر سے قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ بالٹک ریاستوں مین روس کی طرف سے براہ راست فوجی مداخلت کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح کا سیناریو معقولیت پر مبنی(plausible) نہیں ہے۔ کیونکہ روس میں ایسا کوئی متوقع ڈکیٹٹر نہیں ہے جو اس طرح کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بہرحال مجھے اس بارے میں اطمینان قلب نہیں ہے۔ ڈوما کے بعض ممبران - جیسے وکٹرانٹی پوف' سرجی بابورین' ولادیمیرژرنو دسکی اور البرٹ مکاشوف' جو ڈوما میں کٹر قوم پرست پارٹیوں اور گروپوں کے زعما میں شمار ہوتے ہیں' "متحدہ روس" کو بچانے کے لیے مذکورہ بالا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بابورین کا ناٹو مخالف نائبین (ممبران پارلیمنٹ) کا گروپ ۲۴۰ سے زائد

ممبران کی حمایت کا دعویدار ہے۔ جنگ عظیم اول اور معاہدہ وار سیلس(Versailles Treaty) کے نتیجے میں جب ویمار جرمنی(Weimar Germany) کو (بین الاقوامی برادری میں) تنہا کر دیا گیا' اسے توہین آمیز سلوک کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی قوت و طاقت ختم کردی گئی تو ایڈولف ہٹلر نے اپنے ملک کو "بچانے" کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ سابقہ کارپورل (ہٹلر) نے محض چند سالوں کے اندر ہی دنیا کو دوسری جنگ عظیم میں دھکیل دیا جس نے انسانیت سے پانچ کروڑ (پچاس ملین) سے زیادہ جانوں کا نذرانہ لیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ روس کے پاس اتنی اقتصادی طاقت ہے کہ وہ مذکورہ بالاسیناریو پر عملدرآمد کرسکے۔ پھر بھی سوال اٹھتا ہے کہ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں جرمنی بھی تو اقتصادی طور پر کچھ زیادہ طاقتور نہیں تھا۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ "پاور سیناریو" کے حمایتیوں کو اقتصادی کمزوری اپنے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکے گی۔ مثال کے طور پر بابورین نے دھمکی دی ہے کہ "روس پر چڑھائی کرنے کی جرات کرنے والے کسی بھی سیاسی لیڈر کو روسی فیڈریشن' جوہری ہتھیاروں کے استعمال سمیت' ہر قسم کے ممکنہ اقدامات کے ذریعے فیصلہ کن شکست سے دوچار کردے گی (۱۰)۔ ۱۹۹۶ء کے موسم خزاں میں سویڈن میں متعین روسی سفیر اور ماضی میں تحدید اسلحہ کے موضوع پر سوویت مذاکرات کار اولیگ گرائنوسکی نے ناٹو میں توسیع کو جوہری جنگ کے برپا ہونے کے امکانات میں زیادتی کا سبب قرار دیتے ہوئے کہا کہ "روس کے پاس امریکہ اور یورپ دونوں کو تباہ کرنے کے لیے کافی مقدار میں میزائل موجود ہیں"(۱۱)۔ روس کے سابق وزیر دفاع ایگور روڈیونوف نے متعدد بار دھمکی دی کہ روس کے وسیع جوہری (ہتھیاروں کے) ذخائر قابو سے باہر ہوسکتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ روس اور امریکہ کے جوہری ہتھیاروں کے ذخائر - اور ان کے مابین کشیدگی - میں معتدبہ کمی کے باوجود دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف منٹوں میں میزائل استعمال کرنے کی تیاری کی حالت میں ہیں۔ مجھے اناطول لیئوین Anatol Lieven) کے اس جملے سے اتفاق ہے کہ "...اس لیے روس کے موجودہ نظام کی تمام تر مشکلات اور کمزوریوں کے باوجود وہ لمبے عرصے تک اچانک ابھر کر سامنے آنے کی صلاحیت رکھتا ہے یہاں تک کہ ہم سب اکٹھے تباہ ہو جائیں"(۱۲)۔

ایسے آثار نظر آنے لگے ہیں جو اس منظرنامے کے امکان کا پتہ دیتے ہیں۔ روس کا نیا نظریہ دفاع(military doctrine) دراصل جوہری ہتھیاروں کے استعمال میں پہل نہ کرنے کے عہد سے پھرنے کے مترادف ہے۔ اس سال (۱۹۹۸ء) کی ابتداء میں روس کی سیکورٹی کونسل کے

سیکرٹری آئیوان ریبکن نے کہا: "ہر ایک کو جان لینا چاہیئے کہ براہ راست چیلنج کی صورت میں ہمارا ردعمل مکمل(full fledged) ہو گا۔ اس سلسلے میں استعمال کئے جانے والے ذرائع (ہتھیاروں) کے اختیار کا حق ہمارا ہو گا"(۱۳)۔ بعد میں ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ روسی پارلیمنٹ کی طرف سے سٹارٹ -۲ معاہدہ کی توثیق "تقریباً" ناممکن ہو چکی ہے"(۱۴)۔ روسی ڈوما نے ایک بار پھر کیمیائی ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدہ کی توثیق کو مؤخر کردیا ہے۔ نیز روسی دفاعی منصوبہ ساز اس رائے کا اظہار کر رہے ہیں کہ ناٹو کی توسیع کے خلاف واحد قابل عمل (روسی) ردعمل روسی سرحدات کے نزدیک ترین علاقوں میں روسی تدبیراتی جوہری ہتھیاروں (tactical nuclear weapons) کی ازسرنو تنصیب ہے۔

مغرب کی طرف سے بعض اقدامات نے روسی خارجہ پالیسی کے اس "پاور سیناریو" کے حامیوں کی پوزیشن مزید مضبوط کردی ہے۔ ۱۹۹۷ء کے موسم بہار میں ناٹو کے سیکرٹری جنرل جیویر سولانو کی طرف سے روس کے "قریبی بیرون" کے ممالک کے دورے نے ماسکو کے پالیسی سازوں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ ۱۹۹۷ء کے موسم بہار ہی میں جب ناٹو کے یورپ کے لیے سپریم الائیڈ کمانڈر امریکی جنرل جارج جولواں نے ایسے وقت میں کیف (یوکرین کے دارالحکومت) کا دورہ کیا جب ناٹو اور روس کے مابین مذاکرات عروج پر تھے' تو روسیوں نے جنرل جولواں کے اس دورے کو روس - مخالف رجحان (یا اقدام) کے اظہار کے مترادف قرار دیا۔

سرد جنگ دوم کا منظر نامہ

روسی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے اس دوسرے امکان کو میں "سرد جنگ دوم کا منظر نامہ" سے تعبیر کرتا ہوں۔ پاور سیناریو کے برعکس "کولڈوار -۲ سیناریو" میں روس کو ایک مہم جو طاقت کے طور پر تصور نہیں کیا جائے گا تاہم اس سیناریو کی بنیاد بھی روس اور مغرب کے درمیان بڑھتی ہوئی دشمنی (یا عناد)(hostility) ہی ہے۔ اس سیناریو کے تحت روس امریکہ کی عالمی قیادت کی مخالفت کرنے والے ممالک کے ساتھ وسیع تر تعاون پر توجہ مرکوز کرے گا۔ ماسکو روس کے خصوصی مفادات والے بعض علاقوں میں واشنگٹن کے سیاسی اور فوجی اقدامات کو چیلنج کرنے کی راہ اختیار کرے گا اور امریکہ کو بین الاقوامی مسائل اور معاملات میں اپنی مرضی مسلط کرنے سے روکنے کے لیے ہر ممکن اقدام کرے گا۔ عظیم تر آزادی عمل کے اظہار اور اپنے اثر و رسوخ کو ازسرنو دھڑلے سے منوانے کے لیے روس ایسے مغرب مخالف ممالک کے ساتھ تعلقات مضبوط

کرے گا جو (روس سے) دفاعی تعاون کی امیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ ان ممالک میں ایران' عراق' لیبیا اور کیوبا شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روس "ڈیٹن معاہدہ" سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے ایک مضبوط سرب نواز موقف اختیار کرے گا۔

داخلی محاذ پر یہ سیناریو روسی افواج کی مکمل لام بندی اور تحریک کا متقاضی ہو گا۔ مزید یہ کہ روسی معیشت کو از سرنو فوجیا نے(remilitarization) (دفاعی سازو سامان کی تیاری اور تجارت پر مرتکز کرنے) کی کوشش کی جائے گی۔ اس سیناریو کے تحت تمام جمہوری اصلاحات کو ترک کرکے مطلق العنانیت کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا جائے گا۔ چنانچہ یہ سیناریو (سابق) کمیونسٹوں' قدامت پسند حلقوں اور تمام جمہوریت دشمن عناصر کے لیے (انتہائی) قابل قبول ہے۔

اس سیناریو کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ روسی خارجہ پالیسی نیویوریشنزم (Neo_Eurasianism) کی علمبردار ہوگی۔ ماسکو ایشیا میں اپنے اثر و رسوخ کو مضبوط کرنے کی تگ و دو کرے گا۔ اس سلسلے میں ماسکو خصوصی طور پر بیجنگ کے ساتھ' مغرب کی طرف سے درپیش فوجی اور سیاسی چیلنجوں سے متعلق دونوں ممالک کے مشترکہ موقف کی بنیاد پر' دوستی (اور اشتراک) کا متلاشی ہو گا۔ اس سلسلے مین اس بات کا بھی امکان ہے کہ روس چین کے ساتھ - ماضی میں سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان قائم اتحاد کی طرز پر - ایک عالمی اتحاد (global alliance) کے قیام کی کوشش کرے گا۔ روس اپنی منڈی کو چینی برآمدات کے لیے کھول دے گا اور وہ اپنے اس پڑوسی کی بھاری صنعتوں نیز حربی صنعت کی ماڈرنائزیشن (تجدید) میں ہر قسم کی اعانت و امداد فراہم کرے گا۔ روسیوں کو اس بات کا ادراک ہے کہ چین کی مجموعی داخلی پیداوار (GDP) جلد ہی امریکہ کی جی ڈی پی سے تجاوز کر جائے گی۔ روس اور چین دونوں مئی ۱۹۹۶ء میں بیجنگ میں صدر یلسن اور صدر ژیانگ زیمن کے مابین طے پانے والے ڈیکلریشن (اعلان) پر عملدرآمد کے لیے ہر ممکن اقدام کریں گے جس میں "اکیسویں صدی میں دونوں پڑوسی ممالک کے مابین تزویراتی تعاون" اور اشتراک کار پر زور دیا گیا تھا۔

ان حالات میں نظریاتی اختلاف دونوں ممالک کے تعلقات میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنے گا۔ بیجنگ کو ماسکو کی "جمہوریت کے مضر اثرات" سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ اور ماسکو چینی کمیونسٹوں کے کارناموں(achievements) سے استفادے کے لیے بے تاب ہو گا۔ دونوں ممالک اپنے سیاسی اور حربی اتحاد کو مغرب کا متبادل(counter weight) تصور کریں گے۔

اس سیناریو میں روس جاپان کے ساتھ بھی اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرے گا جس کا مقصد

(مغرب کی طرف سے) ناٹو کی توسیع (کے عمل) کا انتقام لینا ہوگا۔ اس راہ پر چلنے کے لیے ماسکو کو (جاپان کے ساتھ) متنازعہ امور پر سمجھوتہ (compromise) کرنے کی استعداد اور رضا مندی کا اظہار کرنا ہوگا۔ جنوبی کورل جزائر کو متوقع طور پر جاپان اور روس کے مشترکہ کنٹرول میں دیے جانے پر اتفاق کرلیا جائے گا۔ اور جاپانی تاجر کثیر تعداد میں سائبیریا کے ناخودکا (Nakhodka) ولادی وسٹوک اور دیگر شہروں میں مصروف کار نظر آنے لگیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ روس کی کوشش ہوگی کہ (دیگر) سابق سوویت ریاستوں کو بھی مشرق بعید (Far East) کے ساتھ اپنے فوجی اور اقتصادی تعلقات کے دائرہ کار میں شامل کرلے تاکہ مغرب کی طرف ان کے میلان کو ختم کیا جاسکے۔ روس دیگر ترقی پذیر ممالک کے سلسلے میں بھی کچھ اسی قسم کے اقدامات کرے گا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں، مجوزہ سیناریو کے تحت، ایک ایسی نئی تقطیب (بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے طاقت کے ایک سے قطبوں کا منظرعام پر آنا) ظہور پذیر ہوگی جس میں بین الاقوامی برادری طاقت کے دو محوروں میں تقسیم ہو جائے گی۔ طاقت کے یہ دو نئے محور ایک طرف روس - چین اور جاپان اتحاد اور دوسری طرف امریکہ اور یورپی یونین کے اتحاد و اشتراک پر مشتمل ہوں گے۔

میرے خیال میں یہ سیناریو غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ چین مغرب کے ساتھ تعاون اور مکالمہ کے عمل کو ختم کرنے پر تیار نہیں ہو گا۔ ناٹو مخالف اتحاد میں شمولیت سے چینی زعما کے اہم مقاصد کو نقصان پہنچے گا۔ چین ملک میں ماڈرنائزیشن (تجدید) کے منصوبوں پر عمل پیرا ہے (جس کے لیے اسے مغرب کے تعاون کی شدید ضرورت ہے)۔ روس بھی ماڈرنائزیشن اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے مجوزہ سیناریو کے تحت کچھ حاصل نہیں کرسکے گا۔ درحقیقت اس سیناریو کی پشت پر کارفرما یہ مفروضہ ہی غلط ثابت ہو سکتا ہے کہ روس اور چین کے درمیان ہم آہنگی پائی جائے گی۔ آنے والے سالوں میں چین اور روس از سرنو وسطی ایشیا، منگولیا اور کوریا میں (اثر و رسوخ کے لیے) ایک دوسرے کے حریف کے طور پر سامنے آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ چین کی آبادی، اس کے وسائل اور چینی معاشرے مین کارفرما کمیونسٹ ڈسپلن (نظم و ضبط) کے پیش نظر (مجوزہ اتحاد میں) روس اپنے آپ کو جونیئر (چھوٹا) شریک کار پائے گا۔ روس کے قوم پرست لیڈر اس قسم کا کردار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

ان تمام منفی عوامل کے باوجود ایسے آثار نظر آنے لگے ہیں جو "سردجنگ دوم سیناریو" کے ظہور کا پتہ دیتے ہیں۔ ناٹو کی توسیع میں جلدبازی اور مشرقی یورپ کے ممالک کی طرف سے اس

میں ان کی شمولیت قبول کرنے کے لیے مغرب پر دباؤ نے "سٹراتیجی شراکت کار" کی تعمیر سے متعلق روسی ڈپلومیسی میں غیر معمولی سرگرمی کو جنم دیا ہے۔ مثال کے طور پر فروری ۱۹۹۷ء میں (صدر) یاسر عرفات کا دورہ ماسکو مضبوط روس - فلسطین تعلقات کے قیام سے متعلق بیانات کے حوالے سے نمایاں رہا۔ مارچ (۱۹۹۷ء) میں عراقی نائب وزیراعظم طارق عزیز نے ماسکو میں اعلان کیا کہ روس نے "عراق سے متعلق دوستانہ' متوازن اور مقبول رویہ اپنایا ہے"(۱۵)۔ مارچ (۱۹۹۷ء) ہی میں چینی صدر اور ہندوستانی وزیراعظم کے ماسکو کے دوروں کے دوران ماسکو کے پالیسی ساز """سٹراتیجی شراکت کار" کی باتیں کرتے رہے۔ نیز انہوں نے مہمان وفود کے ساتھ مذاکرات کے دوران چین اور ہندوستان کے ساتھ جوہری شعبے میں تعاون اور دونوں ممالک کو اسلحہ کی فروخت کو بھی موضوع بحث بنایا۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں چینی صدر ژیانگ زیمن کے دورہ ماسکو کے اختتام پر صدر یلسن اور صدر زیمن نے ماسکو میں اس عہد کا اظہار کیا کہ وہ امریکی طاقت اور عالمی امور میں اس کے اثر و رسوخ کو محدود کرنے کے لیے تعاون کریں گے۔ دونوں صدور کے (مشترکہ) بیان میں ایک کثیر قطبی دنیا کی تشکیل پر زور دیا گیا اور کسی بھی ملک کی طرف سے عالمی امور میں تسلط پسندانہ پالیسی اختیار کرنے کی روش کی مذمت کی گئی۔

بقا کا منظر نامہ

ایک تیسرا اور آخری منظرنامہ "بقا کا منظرنامہ" (سروائیول سیناریو) ہو سکتا ہے جس کے تحت ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع اور روس کے "قریبی بیرون" میں اس کے خصوصی مفادات کے لیے مغربی چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے روس کی خارجہ پالیسی کی نئی سمت متعین کی جائے گی۔ روسی خارجہ پالیسی کے اس منظرنامے کی بنیاد اس مفروضے پر ہوگی کہ روس کے حقیقی مفادات کا تحفظ اس بات کا متقاضی ہے کہ یورپی سلامتی کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جائے اور تمام یورپی ممالک کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون کو فروغ دیا جائے۔ اس سلسلے میں ناٹو میں رکنیت کے حصول کے خواہشمند مشرقی یورپ کے ممالک کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات کے قیام پر ماسکو کی توجہ مرکوز رہے گی۔ روسی قیادت اور سیاسی لیڈر روسی عوام کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتے نظر آئیں گے کہ ناٹو میں توسیع روس کے لیے کسی قسم کے خطرے کا باعث نہیں ہے۔ وہ ایک جانب تو (روس میں) ناٹو مخالف ہیجان(anti_NATO hysteria) کی زبردست مخالفت کریں گے اور دوسری جانب اس سلسلے میں انتہا پسندانہ اقدامات کی حوصلہ شکنی کے لیے کوشاں ہوں گے۔

روسی قیادت اس منطق اور دلیل کو رواج دینے کی راہ پر گامزن ہو گی کہ ناٹو میں توسیع روس کے لیے خطرہ بننے کے بجائے امریکہ اور یورپ میں اختلافات اور ان کے لیے مسائل اور مشکلات پیدا کرنے کا باعث بنے گا۔ روسی خارجہ پالیسی کے اس متوقع منظر نامے کی رو سے ماسکو کی سرکاری پوزیشن جارج کینن کے اس مقولے کے عین مطابق ہوگی کہ ناٹو میں توسیع "سردجنگ کے مابعد کے عہد میں امریکی خارجہ پالیسی کی سب سے بدترین غلطی (ناکامی) ثابت ہوگی"(١٦)۔ روس ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع کے عمل میں ملوث ہونے سے احتراز کی پالیسی اپنائے گا اور اس بات سے متنبہ کرنے کی روش اپنائے گا کہ اس منصوبے (ناٹو میں توسیع) کے خالق (ممالک) اس کے (خطرناک) نتائج کے مکمل طور پر ذمہ دار ہوں گے۔ ماسکو ناٹو کی مشرق کی سمت توسیع کے معاملے میں امریکی رائے عامہ میں پائے جانے والے ان متشککانہ رجحانات(skepticism) کی تائید بھی کرے گا کہ امریکہ کو ایسے علاقوں میں نئی ذمہ داریاں (commitments) قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہئے' جہاں امریکہ کا قومی مفاد بھی واضح نہیں ہے اور جہاں اس قسم کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے فوائد بھی یقینی نہیں ہیں"۔ اور ان رجحانات کو اپنے مفاد کے لیے استعمال بھی کرے گا۔

بقا کے اس منظر نامے (سروائیول سیناریو) میں ماسکو کی دلچسپی یورپ کی سلامتی کے ایک ایسے نظام کے خدوخال کے تعین تک محدود ہوگی جو اس نظام میں شامل تمام ممالک کے مفادات کے تحفظ کا ذمہ دار ہوگا۔ وہ اپنے بعض جائز خدشات کا مداوا کرنے کے لیے ایسے مذاکرات کی راہ اپنائے گا جن کا مقصد روس - ناٹو مفاہمت کی راہ ہموار کرنا ہوگا۔ روس ناٹو سے ایسی ضمانتوں کا مطالبہ کرے گا جن کی رو سے ناٹو میں شمولیت اختیار کرنے والے نئے ممالک میں جوہری ہتھیاروں کی عدم تنصیب' ناٹو کے فوجی / عسکری ڈھانچے(infrastructure) کی ان ممالک کے علاقوں تک توسیع نہ کرنے اور یورپی سلامتی سے متعلق امور میں فیصلہ سازی کے عمل میں روسی شراکت کی یقین دہانی کرائے جائے گی۔ ماسکو مغرب سے مزید اقتصادی امداد کی فراہمی کے وعدوں کے حصول کی بھی کوشش کرے گا۔ داخلی محاذ پر اس سیناریو کے تحت روس میں جاری اقتصادی اور سیاسی اصلاحات کے عمل کو نہ صرف برقرار رکھا جائے گا بلکہ اس سلسلے میں بعض اضافی اقدامات کے ذریعے مزید پیش رفت کے حصول کی کوشش کی جائے گی۔

اس سنیاریو کے تحت مغربی ممالک کے ساتھ تعلقات کو روسی خارجہ پالیسی میں اہم مقام حاصل ہوگا۔ روس امریکہ کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے ایک نئے ماڈل کو روشناس کرائے گا

جس کی رو سے ماسکو، کم از کم مستقبل قریب تک، عالمی امور میں امریکی اجارہ داری اور واشنگٹن کے قائدانہ کردار کو تسلیم کرتے ہوئے ایک زیادہ پختہ (mature) شراکت کار (partnership) کا متمنی ہو گا جو سوویت یونین کے انہدام کے بعد کے دور میں روسی فیڈریشن کی رومانوی توقعات کی یکسر نفی پر مبنی ہو گا۔ روس کی یورپ سے سیاسی وابستگی کو مضبوط کرنے کے لیے اس منظرنامے میں فرانس، جرمنی اور دیگر یورپی ممالک کے ساتھ تعلقات کو کریملین کی خارجہ پالیسی میں اہم مقام حاصل ہو گا۔

سابق سوویت ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں، اس سیناریو کے تحت، ماسکو مغرب اور خود ان ریاستوں کو یہ یقین دہانی کرائے گا کہ وہ خطے میں تسلط پر مبنی سامراجی عزائم نہیں رکھتا ہے۔ ماسکو کا ہدف اولین بین الاقوامی اقتصادیات اور بین الاقوامی تعلقات میں بین الریاستی تعامل کے فوائد اور اس کی اہمیت (سابق سوویت ریاستوں پر) واضح کرنا ہوگا۔ مزید برآں نو آزاد ممالک کے ساتھ مفاہمت کے حصول کے لیے ماسکو انہیں بعض سیاسی اور اقتصادی مراعات دینے پر بھی تیار ہوگا۔ چین، بھارت اور ترقی پذیر ممالک کے ساتھ تعلقات "روسی فیڈریشن کی سلامتی کے لیے درکار حد تک" استوار کئے جائیں گے تاکہ مغرب کے ساتھ ماسکو کے تعلقات میں بگاڑ سے بچا جاسکے۔ اس سیناریو کے تحت مذکورہ بالا ممالک کے ساتھ تعلقات، آج کی طرح، ماسکو کی یورپ سے وابستگی کے تناظر میں ثانوی حیثیت کے حامل ہوں گے۔

مئی ۱۹۹۷ء میں پیرس میں ناٹو اور روس کے مابین باہمی تعلقات کی جس بنیادی دستاویز (یا چارٹر) پر دستخط ہوئے کیا اس سے روس کی مستقبل کی خارجہ پالیسی کی متوقع جہت کے تعین کا مسئلہ حل ہو گیا ہے؟ میرے خیال میں اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ مذکورہ دستاویز یا معاہدہ کے نتیجے میں ناٹو کی توسیع سے متعلق متعدد مسائل کا حل تلاش نہیں کیا جاسکا ہے۔ معاہدہ پر دستخطوں کے وقت (دونوں طرف سے سنجیدہ یقین دہانیوں اور بیانات کے باوجود یہ محض انتہائی اہمیت کے حامل اختلافات کی پردہ پوشی کے مترادف تھا۔ ناٹو کی بعض یقین دہانیاں کھوکھلی ہیں اور یورپی سلامتی میں روسی کردار تاہنوز غیر متعین ہے۔ ماسکو نے اس معاہدہ پر کمزور فریق کی حیثیت سے دستخط کئے۔ تاہم ان تمام خامیوں کے باوجود ناٹو کی طرف سے روسی مفادات کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے ماسکو کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرنا بذات خود صحیح سمت میں ایک مثبت اقدام تھا۔

مغرب کا انتخاب: ناراض یا بحالی اعتماد کی راہ پر گامزن روس؟

میرے خیال میں مذکورہ بالا تین سنیاریو ان بنیادی جہتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو آنے والے

سالوں میں روسی خارجہ پالیسی اختیار کرسکتی ہے۔ فی الحال ان تینوں رجحانات / جہتوں میں سے کسی کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ روس اپنے آپ کو ایک مشکل صورت حال سے دو چار پارہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسے بین الاقوامی امور سے مکمل طور پر لاتعلق اور بین الاقوامی برادری میں تنہا کردیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ اسے اپنے پڑوس میں متوقع دشمن ممالک کے گھیرے اور حصار کا سامنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان حقائق سے کس طرح نمٹا جائے اور سروائیول سیناریو (بقا کے منظر نامے) کو کس طرح حقیقت میں بدلا جائے؟

ماسکو کے نقطۂ نظر سے ایک اہم حقیقت اس بات کا اعتراف ہے کہ روس کی موجودہ ناخوشگوار صورت حال کا ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ خود روس ہے۔ ستر سال تک کمیونسٹ نظام کو آگے بڑھانے کی بے ثمر کوششوں اور آخر کار کمیونسٹ معاشرہ کی تعمیر میں ناکامی کے بعد ملک میں ناگزیر تبدیلیوں کا آغاز ابتدا" گورباچوف عہد میں ہوا اور صدر یلسن کے دور صدارت میں انہیں مزید آگے بڑھایا گیا۔ تاہم تبدیلیاں روشناس کرانے کے لیے ایسا انداز اپنایا گیا ہے جو روس کو عالمی سیاست میں ثانوی موضوع بنانے کا باعث بن گیا ہے۔ روسی مشکلات کی خود ساختہ (یا خود پیدا کردہ) نوعیت کا علامتی اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ فی الحال (ماسکو کی سلامتی کو) بڑا خطرہ باہر سے (مثلا" ناٹو سے) نہیں بلکہ اندر سے درپیش ہے۔ روس میں اقتصادی نااہلی' بدعنوانی' لاقانونیت اور جرائم (کی بڑھتی ہوئی شرح) جیسے مسائل روس کے مستقبل کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال سے جواہم مگر تکلیف دہ سبق حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روس کو اپنی موجودہ مشکلات پر قابو پانے کے لیے خود سے راستہ تلاش کرنا ہو گا۔

مذکورہ بالا چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روسیوں کے پاس انتہائی محدود امکانات ہیں۔ اگر ماسکو پہلے سیناریو - طاقت کا منظرنامہ - کو اختیار کرتا ہے تو یہ قومی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ سفارتی اور اقتصادی تنہائی' بین الاقوامی برادری کی طرف سے اس کی مذمت اور شاید (اس پر) جنگ (مسلط کرنا) اس سیناریو کے کے انتخاب کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ دوسرا سنیاریو (سردجنگ دوم سنیاریو) غالبا" ایک نئی سردجنگ کی ابتدا کا باعث بنے گا۔ روسی خارجہ پالیسی کا تیسرا متوقع منظرنامہ (سروائیول سنیاریو) روس کے لئے بہت مشکل اور ذلت آمیز ہے۔ روس کو دو میں سے ایک راہ کاانتخاب کرنا ہوگا۔ یا تو اسے ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ترقی یافتہ اور دولت مند مغرب کے تعاون سے (روس کے قومی اور اقتصادی) احیا کی راہ اپنانا ہوگی اور یا پھر اسے براہ راست مغرب کی مخالفت کا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔ اس کے علاوہ ماسکو

کے پاس کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔ قوم پرستی پر مبنی مغرب مخالف راستہ اختیار کرکے تیز رفتار اقتصادی پیش رفت کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔ آج روس اسی دوراہے پر کھڑا ہے۔ یہ ایک ایسا دوراہا ہے جس کا سامنا کرنے کی ہمت سے انتہا پسند روسی سیاست دانوں کی اکثریت بھی عاری ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ روس کو درپیش مسائل و مشکلات سے نمٹنے کے لیے روسی حکمت عملی کی تشکیل کا دارومدار ایک حد تک امریکہ اور مغربی ممالک کی (روس سے متعلق) پالیسیوں پر ہوگا۔ مغرب کی طرف سے روس کو جمہوری ممالک کی برادری میں شامل کرنے کے لیے پختہ عزم' دور اندیشی اور درست اقدامات روسی خارجہ پالیسی پر کافی حد تک اثر انداز ہوں گے۔ یہ بات قطعاً" امریکہ کے مفاد میں نہیں ہے کہ وہ کمزور اور احساس ذلت کے شکار روس کو دیوار سے لگائے۔ روس سے بے گانگی برتنا انجام کار اس کی طرف سے پاور سنیاریو (قوت کا منظر نامہ) اختیار کرنے کا سبب بنے گا جو مغرب کے لیے ازسرنو فوجی خطرے کے ظہور پر منتج ہوگا۔ روس سے قابل لحاظ خطرے کی عدم موجودگی کے باوجود ناٹو میں توسیع ایسا ہی بے معنی عمل ہے جیسا کہ سردجنگ کے دوران اس تنظیم کو توڑنا غیر منطقی ہوتا۔ مغرب (کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ) اس طرح کا اقدام (ناٹو میں توسیع) روس کے ساتھ تخفیف اسلحہ کے معاہدوں اور روس میں جمہوری اصلاحات کے عمل کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں کرسکتا۔

یہ عین امریکہ کے مفاد میں ہے کہ وہ روسیوں کو صحیح راستے کے انتخاب میں مدد فراہم کرے اور روسیوں کے ساتھ مل کر اس مسئلے - ناٹو میں توسیع - کا قابل قبول اور مستحکم حل تلاش کرے۔ ناٹو میں توسیع کا مسئلہ مصنوعی طور پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا پیدا کردہ ہے۔ ہیلسنکی میں صدر کلنٹن اور صدر یلسن نے پانچ ایسے اہم بیانات پر دستخط کئے جنہوں نے روس اور امریکہ کے مابین زیادہ مساویانہ تعلقات کے ضابطوں کی صورت گری کے لیے بنیاد فراہم کی۔ اس دوطرفہ سربراہی ملاقات میں جو اہم ترین پیش رفت ہوئی وہ تزویراتی ہتھیاروں میں دونوں ممالک کے مابین یک گونہ مساوات قائم رکھنے پر اتفاق تھا۔ صدر کلنٹن نے سٹارٹ -۲ معاہدہ پر عمل درآمد شروع کرنے کے لیے مزید مہلت دینے سے بھی اتفاق کیا۔ دونوں صدور نے تخفیف اسلحہ سے متعلق بعض دیگر معاملات پر بھی اتفاق کیا۔

صدر کلنٹن اور صدر یلسن دونوں نے باہمی تجارت سے متعلق بعض مسائل کے حل تلاش کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا اور روس کو انتہائی پسندیدہ ملک قرار دینے پر اتفاق کیا۔ صدر

کلنٹن نے یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ امریکہ کے پرائیویٹ سیکٹر کی طرف سے روس میں سرمایہ کاری کے منصوبوں کی فنانسنگ (سرمایہ فراہم کرنے) کے پروگراموں کے فنڈز میں اضافہ کے لیے ہر ممکن اقدام کریں گے۔ صدر کلنٹن نے وعدہ کیا کہ وہ ۱۹۹۸ء میں روس - امریکہ اقتصادی تعاون کے سلسلے میں (روس میں) سرمایہ کاری سے متعلق رکاوٹوں کو دور کرنے کی غرض سے (امریکی اداروں سے) مزید سرمایہ فراہم کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ واضح رہے کہ روس- ناٹو چارٹر (Founding Act) میں باہمی مشاورت' تنسیق وارتباط اور جہاں ضروری خیال کیا جائے' ہر ممکن حد تک دونوں ممالک کے اشترک سے فیصلہ کرنے اور باہمی مفاد کے حامل سلامتی سے متعلق اقدامات سے اتفاق رائے کرنے کا ایک طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ امریکہ (اور ناٹو) کی طرف سے (فیصلہ سازی میں روسی شرکت سے متعلق) یہ عہد و التزام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ظاہر ہے چارٹر کے اس حصے پر عملدرآمد میں امریکہ کا کردار فیصلہ کن ہو گا۔

مستقبل ہی بتائے گا کہ ان تاریخی التزامات اور ذمہ داریوں(commitments) کی کس حد تک پاسداری کی جائے گی۔ اگر امریکہ اس عہد و پیمان اور ذمہ داری کو پورا کرتا ہے تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ صدر کلنٹن کے اس تصور(concept) پر عمل پیرا ہے کہ امریکہ کی قومی سلامتی اور سردجنگ کے مابعد کے دور میں اقتصادی اور سماجی تجدید (اصلاحات) کے لیے امریکی امداد و حمایت (کی کامیابی) روس - امریکہ تعلقات کی نوعیت پر منحصر ہے۔ کرہ ارض میں امن و استحکام برقرار رکھنے' بین الاقوامی سلامتی کو یقینی بنانے اور ایک نئے منصفانہ عالمی نظام کی تخلیق سے متعلق امریکی خارجہ پالیسی کے اہم اہداف کا حصول روس کی عملی معاونت کے بغیر ناممکن ہے۔ تاہم اگر امریکہ روس کے معاملے میں اس کی انا کو ٹھیس پہنچانے کا رویہ برقرار رکھتا ہے تو اس کے لیے روسی تعاون کا حصول ناممکن رہے گا۔ زخم خوردہ شیر سے چھیڑ خانی کرنا بہرحال ایک خطرناک عمل ہے۔

حواشی

۱۔ دیکھیے: ڈپلوماٹشکی وسٹنک (سفارتی خبریں) شمارہ نمبر۱۱' (ماسکو: وزارت امور خارجہ' روسی فیڈریشن' ۱۹۹۲ء)' ص ۱۳۔

۲۔ ایضاً' ص ۱۲ اور شمارہ نمبر ۱۳-۱۴' ۱۹۹۲ء' ص ۸۔

۳۔ ایضاً' شمارہ نمبر۱۳-۱۴' ۱۹۹۲ء' ص ۷۔

۴۔ ایضاً" شمارہ نمبر۱۱، ۱۹۹۲ء، ص ۱۴۔

۵۔ دیکھیے: Vital Speeches of the Day 58, No.14(1992), P.423.

۶۔ دیکھیے: Thomas L.Friedman, " NATO and Tomato," New York Times, January 22, 1997, P.A21.

۷۔ دیکھیے: Andrei Kozyrev, "Nato is Not Our Enemy," News Week, February 10, 1997, P.31.

۸۔ دیکھیے: Nikolai Pychev, "NATO: Myths and Reality," Krasnaya Zvezda, January 4, 1997.

۹۔ دیکھیے: Aleksei Pushkov, "Western Leaders Did,nt Keep Their Promises," Nezavisimaya Gazeta, March 19, 1997, PP. 1-2.

۱۰۔ دیکھیے: Sergei Baburn, quoted in Oleg Morozov, "Kremlin Leaders," Litraturnaya Gazeta, February 5, 1997, P.1.

۱۱۔ دیکھیے: Oleg Grynevsky, quoted in Maxim Yusin, "Two Visions of NATO," Izvestia, November 21, 1996, P.3.

۱۲۔ دیکھیے: Anatol Lieven, "Freedom and Anarchy : Russian Stumbles Toward the Twenty - Fist Century," The Washington Quarterly, Winter 1997, P.57.

۱۳۔ دیکھیے: Tom Zimmerman, "Russia's Ace in the Hole," US News and World Report, June 2, 1997. P.43.

۱۴۔ دیکھیے: Michael R. Gordon, "NATO Pact Clouds Fate of Arms Cuts, a Yeltsin Aside Said," New York Times, May 16, 1997, P.1.

۱۵۔ دیکھیے: Marina Kalashnikova,"The Oil- Based Future of Russian - Iraqi Friendship," Kommersant Daily, March 6, 1997, P.4.

۱۶۔ دیکھیے: George Kennan, "A Fateful Error," New York Times, February 5, 1997, P. A 23.